۳

دعوت

رشید احمد صدیقی

پہلی بات : سماج میں رہنے والے افراد بعض موقعوں پر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے، سکھ دکھ کی تقریبوں میں شرکت کرتے اور آپس میں تحفے تحائف کا لین دین بھی کرتے ہیں۔ ایسے کاموں میں ایک عام تقریب کھانے پینے کی دعوت بھی ہے۔ شادی بیاہ، موت میّت وغیرہ کے موقع پر لوگ ایک دوسرے کو کھانے پر بلاتے اور خود بھی کسی دوست کے ہاں کھانے پر جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر بھیڑ بھاڑ ہو تو کھانے پینے کے آداب ترک کر کے لوگ چھینا جھپٹی بھی کرتے نظر آتے ہیں جو انسانی تہذیب کے خلاف ہے۔ ذیل کے سبق میں مصنف نے دعوت کے الگ الگ منظروں میں لوگوں کے آپسی سلوک کو بڑے پرلطف انداز میں بیان کیا اور ڈھکے چھپے یہ بات کہی ہے کہ کھانے پینے کے وقت انسان کو انسان بنا رہنا چاہیے۔

جان پہچان : رشید احمد صدیقی ۱۸۹۲ء میں مڑیاہو، ضلع جونپور (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اُردو ادب کے پروفیسر رہے۔ کچھ عرصہ جامعہ عثمانیہ (حیدر آباد) سے بھی وابستہ رہے۔ علی گڑھ سے دوبارہ وابستگی کے بعد ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ان کی طنز و ظرافت انفرادیت رکھتی ہے۔ وہ ہنسانے سے زیادہ ہنساتے ہنساتے سنجیدگی سے ہم کنار کرنے کا گُر جانتے ہیں۔ 'طنزیات و مضحکات، خنداں، مضامینِ رشید، گنج ہائے گراں مایہ' اور 'آشفتہ بیانی میری' ان کی اہم تصانیف ہیں۔ انھوں نے ۱۹۷۷ء میں وفات پائی۔

طنز و مزاح نگاری زندگی کی ناہمواریوں اور مضحکہ خیز صورتِ حال کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کا فن ہے۔ مزاح نگار جس چیز پر ہنستا ہے، اس سے اس کو محبت ہوتی ہے اور اس لیے اس کا انداز ہمدردانہ ہوتا ہے۔ اس کا مقصد کبھی کبھی اصلاح بھی ہوتا ہے۔ طنز اور مزاح میں گہرا تعلق ہے۔ مزاح کی آمیزش سے اس کی تلخی میں کمی آجاتی ہے۔ کسی تحریر میں صرف طنز ہو تو اس کے ناگوار ہونے کا ڈر رہتا ہے اور نرا مزاح بے مقصد ہنسی ٹھٹھول بن کر رہ جاتا ہے۔ اس لیے عموماً ادیب یا شاعر ان دونوں کی آمیزش سے کام لیتے ہیں۔ طنز و مزاح نگار سماج میں پھیلی ہوئی خرابیوں پر قلم سے نشتر کا کام لیتا ہے۔ وہ ادب میں اعلیٰ انسانی اقدار کو پیش کر کے مایوس اور افسردہ انسانوں کے زخموں پر مرہم لگاتا ہے۔ کبھی کبھی اس کے طنز کی چوٹ اس قدر گہری ہوتی ہے کہ انسان تلملانے لگتا ہے لیکن غیر اِرادی طور پر وہ خود پر ہنستا بھی ہے۔

ایک مَثَل مشہور ہے: "مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ۔" میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ یہ مَثَل بھی عام ہونی چاہیے: "مجھے دعوتوں سے بچاؤ۔" گو دوستوں سے بچنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ دعوتوں سے بھی نجات مل جائے گی۔

بھوک کی مانند دعوت کا بھی یہ حال ہے کہ اُس کا نہ کوئی وقت مقرر ہے اور نہ موقع۔ کسی نے ٹھیک ہی کہا ہوگا ؎

کُلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں بھوک
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں بھوک
بھوک ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے بھوک کی آغوش میں

تہوار تقریب ہو، کوئی مہمان آیا ہو، کوئی چل بسا ہو، رقعۂ دعوت بہر حال موجود ہے، ماحضر موجود ہے اور ایک بزرگ نے تو جوش میں آکر اس کی بھی فرمائش کر دی، "براہِ کرم تناول ماحضر فرمائیے۔"

دعوت میں نہ جائیے تو غرور یا بے توجہی کی شکایت۔ جائیے تو معدہ اور عاقبت دونوں خراب۔ میں نے جس جس قسم کی اور جن مواقع پر دعوت کھائی ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہوگی۔ سب سے پہلی دعوت خوب یاد ہے۔ گو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ میرے کسی بزرگ کی دعوت رہی ہو اور وہ مجھے اُسی اُصول پر بن بلائے ساتھ لے گئے ہوں جس اُصول پر ریل میں کرایہ نہیں ادا کرنا پڑتا یعنی معصوموں کے لیے نہ کرایہ ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ رقعۂ دعوت کی۔

بعض ریلوے لائنوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں مفت سفر کیا جاسکتا ہے۔ اِدھر کے کوئی ٹکٹ کلکٹر اُس لائن پر مامور ہوئے۔ اُنھوں نے ایک بزرگ کو بے ٹکٹ سفر کرتے پکڑا تو اُنھوں نے نہایت گھور کر عارفانہ ڈپٹ کے ساتھ کہا، "ابھی شراپ دوں گا، بھسم ہوجائے گا۔" بے چارے ٹکٹ کلکٹر ایسے مبہوت ہوئے کہ گاڑی کے نیچے کٹتے کٹتے بچے۔

پہلی دعوت مجھے ایسے صاحب کے ہاں کھانی پڑی جہاں ساری بستی مدعو تھی۔ مئی کا مہینہ اور دوپہر کا وقت۔ مکان و میدان کا کوئی نشیب و فراز ایسا نہ تھا جہاں کھانے والے نہ بیٹھے ہوں۔ فرش و دسترخوان کا وہاں کوئی دستور نہ تھا۔ جس کو جہاں جگہ مل گئی بیٹھ گیا۔ ایک ہاتھ میں گرم گرم تنوری روٹی دے دی گئی۔ مٹی کے ایک برتن میں زمین پر سالن رکھ دیا گیا۔ بھشتی نے مشک سے تام چینی کے گندے شکستہ گلاس میں پانی پلانا شروع کیا۔

سامنے ایک نیازمند کتّے صاحب بھی موجود تھے، دُم ٹانگوں کے درمیان، خود دو زانو بیٹھے ہوئے، نظریں نیچی، بہت کچھ بھوکی، چہرے اور جسم پر ہِنسا کے غیر فانی نقوش، جن پر مکّھیاں مصروفِ غزل خوانی تھیں۔

پاس ہی ایک بوڑھے کھانستے جاتے تھے، کھاتے جاتے تھے اور خِلال کرتے جاتے تھے۔ ناتی گود میں، پوتا کندھے پر۔ پوتے نے ایک ہڈی کتّے کے سامنے پھینک دی۔ اب معلوم ہوا کہ ایک اور کتّے صاحب کہیں قریب ہی مراقبے میں بیٹھے ہوئے تھے جنھوں نے یک لخت غرا کر جو جست کی ہے تو میرے مقابل کے کتّے پر آ گرے۔ لیکن جست کے دوران دادا نانا پوتا ناتی کے پورے شجرۂ نسب کو ڈھاتے چلے گئے۔ خلال دادا یا نانا کے گلے میں جا پھنسا اور پوتے ناتی میرے سالن میں آ رہے۔ ایک ہلّڑ مچا۔ سارے کھانے والے بھاگ کھڑے ہوئے۔

یہ تو میرے ایامِ جاہلیت کا قصہ تھا۔ ہوش سنبھالا تو ایک مشہور شہر میں ڈیپوٹیشن پر جانے کا اتفاق ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ شام کو وہاں کی مشہور مسجد میں افطار پر ہم سب مدعو تھے جہاں ایک ہجوم تھا۔ ہمارے سامنے بھی افطاری رکھ دی گئی۔ ابھی ہم نے مشکل سے دو ایک لقمے فرو کیے ہوں گے کہ ایک حملہ ہوا۔ چند سورما ہم پر ٹوٹ پڑے اور جو کچھ سامنے تھا، اُسے چٹ کر کے آگے بڑھ گئے۔ معلوم ہوا کہ وہاں کا یہی دستور تھا۔

رات کو دعوت تھی۔ سارے مہمان دو زانو بیٹھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ٹھگوں کا گروپ ہے۔ ہم سب بھی بیٹھ گئے۔ ایک بڑی سینی میں بریانی کا اہرامِ مصر بنا ہوا تھا جس کے اوپر ایک دیگچی شوربے کی اُنڈیل دی گئی۔ لوگ سینی پر ٹوٹ پڑے اور براہِ راست دست بدہن ہوگئے۔ ہمارے دوست چپ چاپ بیٹھے رہے۔ میزبان تو اُنھیں دیکھ کر خاموش

ٹھگ

قدیم ہندوستان میں ڈاکوؤں اور قاتلوں کے ایک گروہ میں شامل لوگ ٹھگ کہلاتے تھے۔ یہ ایک مذہبی فرقہ بھی تھا جس میں ہندو مسلمان سبھی شامل تھے۔ ٹھگ گاؤں گاؤں پہنچتے، میلوں جاتراؤں میں بھیس بدل کر گھومتے اور جسے لوٹنا یا قتل کرنا ہوتا اس کے بارے میں ساری معلومات ایک خاص زبان میں اپنے ساتھیوں تک پہنچاتے رہتے تھے۔ ان کے قتل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ مقتول کے گلے میں پھندا ڈال کر کَس دیتے تھے۔ سماج کے بہت سے امیر اور رئیس افراد ان کے حمایتی تھے۔ انگریز حکومت کے زمانے میں ٹھگوں کے خاتمے کی کوششیں کی گئیں۔ لارڈ ولیم بینٹنک نے چھے سال کے عرصے میں سیکڑوں ٹھگوں کو گرفتار اور قید کیا۔

رہے لیکن ایک بزرگ جن کی ڈاڑھی چاولوں کی مالا بن گئی تھی اور شوربا گنگا جمنی خضاب کی بہار دِکھا رہا تھا، قاب سے سر اُٹھائے بغیر بولے، ”کھاؤ سیٹھ صاحب کھاؤ، نہیں تو ایک بندے کا مال ضائع ہوگا۔“ دوست بولے، ”بالکل درست، لیکن دوسرے کی جان بھی تو ضائع ہوگی۔“

وہاں کے زمانۂ قیام ہی میں ایک اور جگہ سے دعوت نامہ آیا۔ ہمارے میزبان وہاں کے معزز اور دولت مند ترین لوگوں میں سے تھے۔ ہم ڈرائنگ روم میں پہنچے تو دن کو تارے نظر آنے لگے۔ ایسی خوب صورت، قیمتی، پرتکلف اور نایاب چیزیں ایک ساتھ کب دیکھنا نصیب ہوتی تھیں۔ البتہ اُن کا تذکرہ سنا یا طلسمِ ہوش رُبا میں پڑھا تھا۔

سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ کھانا ایسے ایسے یونیفارم یا لباسِ فاخرہ یا ملبوساتِ عروسی میں لایا جاتا کہ یہ طے کرنے میں دشواری ہوتی کہ اُن پر حملہ کیا جائے یا اُن کی عبادت کی جائے یا کھڑے ہوکر ترانہ گایا جائے۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ کس آلہ سے کس چیز پر حملہ کیا جائے۔ اس لیے کہ جان لینے کے لیے تو آپ آزاد ہیں، جو آلہ چاہیے شوق سے استعمال کیجیے لیکن کھانوں کے لیے مخصوص آلات مقرر ہیں۔ تیسری مصیبت یہ کہ جو کھانا پیش کیا جارہا تھا، اُس کے دوسرے عزیز واقارب نہ معلوم کون کون اور تھے جن کی عدم موجودگی میں کھانے کو ہاتھ لگانا بڑا گنوار پن ہوتا۔ میزبان کو مسکرانے اور خواہ مخواہ اخلاق برتنے سے فرصت کہاں کہ وہ کچھ بتائیں یا ہم پوچھ سکیں۔ بیروں کو دیکھیے تو زرہ بکتر اور چار آئینے لگائے ہوئے اس طور پر مصروفِ کار تھے جیسے بعض نالائق اور بددماغ، امتحان کے ہال میں اُمیدواروں کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس قسم کے بیروں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو کچھ وہم سا ہونے لگتا ہے کہ یہ کہیں نہ کہیں اپنے یونیفارم یا پٹّی ٹھُپّوں میں کوئی پیش قبض بھی چھپائے ہوئے ہیں۔ کھانا تھا کہ چلا ہی آرہا تھا، ہم نے بھی چھری اس طور پر پکڑ رکھی تھی جیسے کسی قلم تراش چاقو سے گینڈے کی قربانی کرنے والے ہوں۔ کانٹا ہمارے ہاتھ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پلیٹ پر کوئی کیکڑا مسلّط ہے۔

خدا خدا کرکے کھانا ختم ہوا۔ کافی آئی، بغیر دودھ یا شکر کے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمباکو کا گل پیس کر گرم پانی ملا دیا گیا ہے یا نادر شاہ کے اصلاحِ معدہ کے لیے املتاس کا مُسہل جام بلّوریں میں پیش کیا گیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ کافی سے انکار کیجیے تو بعض میزبان خفا ہوتے ہیں۔

فرض کیجیے کسی رئیس کے ہاں دعوت ہوئی۔ وہ کھانا اس طور پر کھلائے گا گویا مہمان کی سات پشتوں تک کو نواز ڈالا۔ قورمہ ہر دعوت میں ملتا ہے اور معمولی سے معمولی لوگ بھی اپنے گھروں میں کھاتے ہیں لیکن رئیس کے یہاں کا قورمہ کچھ اور ہوتا ہے۔ ادائے خاص سے فرمائیں گے، مولانا کہیے! قورمے سے بھی شوق فرمایا؟ جی ہاں، شکریہ، ماشاء اللہ۔ فرمائیں گے، صاحب! ایسا حُلوان دلّی بھر میں نہ ملے گا۔ بادام پر پلا تھا۔ ذرا بوٹی کی خستگی پر نظر رکھیے۔ سبحان اللہ! کیوں نہیں۔ ارشاد ہوتا، ہاں ہاں خوب کھائیے۔ بہت ہے جی۔

اہرامِ مصر (واحد: ہرم)

مصر کے اہرام دنیا کے عجائب میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ مخروطی عمارتیں دراصل مصر کے فرعونوں کے مقبرے ہیں۔ ان میں ان کی ممیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ممی اس لاش کو کہتے ہیں جسے قدیم مصر کے لوگ ہرم میں لاش کو رکھنے سے پہلے خاص قسم کے مسالوں سے تیار کرتے اور لاش پر پٹیاں لپیٹ دیا کرتے تھے۔ مصر کا پہلا ہرم ۲۹۰۰ ق۔م میں تعمیر کیا گیا۔ اس کی سطح چوکور ہوتی ہے لیکن سطح سے بلندی کی طرف یہ مثلث کی طرح بڑھتا ہے اور اوپر جاکر چاروں کونے ایک نقطے پر مل جاتے ہیں۔ اس کی تعمیر میں پتھر کے بڑے بڑے چوکون ٹکڑے لگائے گئے ہیں۔ ان میں ہر پتھر کا وزن تقریباً ڈھائی ٹن کے برابر ہے۔ بہت سے اہرام اینٹوں کے بھی بنائے گئے ہیں۔ خوفو نامی فرعون کا ہرم سب سے بڑا ہے۔ اہرام میں بادشاہوں کی ممیوں کے ساتھ ان کا بہت سارا ساز وسامان اور غلام اور کنیزیں بھی بند کردی جاتی تھیں۔ مصر والوں کا عقیدہ تھا کہ فرعون کی خدمت کے لیے دنیا میں استعمال کی جانے والی چیزیں اہرام میں بند کی جانی چاہئیں۔

اہرام جیسے مقبرے مصر کے علاوہ وسطی امریکہ اور میکسیکو کے مایا قبیلے والوں نے بھی تعمیر کیے ہیں۔

ہاں، خوب سیر ہو کر کھایا۔ نہیں نہیں، آپ تکلف کرتے ہیں۔ فلانے چلو! مولانا کو قورمہ اور دو۔ لیکن فلانے کو پکاریں گے اور قورمے کا آرڈر اس طور پر دیں گے گویا مولانا کو پٹوا دینے کا ارادہ ہے۔ قورمہ پلیٹ میں ڈال دیا گیا اور مولانا سے ارشاد ہوگا، مولانا! یہ باورچی اب دہلی میں اکیلا رہ گیا ہے۔ اس کا دادا معمولی حجام تھا، والد نے اس کو کھانا پکانا سکھایا۔ وہ خود کھانے کے بڑے شائق تھے۔ اب اس کا ثانی دور دور نہ ملے گا۔ بس مولانا! قورمہ کھا لیجیے۔ یہ چیز اب معدوم ہوتی جارہی ہے۔ غرض مولانا کو اس شفقت اور تپاک سے کھلائیں گے گویا کسی نابینا حافظ کو کھلا رہے ہیں۔

دوسری آفت ملاحظہ ہو۔ بعض میزبان حماقت اور محبت کے سلسلے میں اصرار کرتے کرتے کھانا آپ کی پلیٹ میں ڈال دیں گے اور فرمائش کریں گے، کھائیے! میرے سر کی قسم کھائیے۔ حالانکہ اس وقت جی یہی چاہتا ہے کہ پلیٹ سر پر مار لیجیے اور گریبان پھاڑ کر کہیں بھاگ جائیے۔ ایسی دعوت سے مجھ کو قلبی نفرت ہے جہاں میزبان بار بار کھانے کے لیے اصرار کرے اور اپنے ہاتھ سے میری پلیٹ میں کھانا رکھ دے اور کہتا یہ رہے کہ آپ کو کھانا پسند نہیں آیا۔ آپ کے لیے کچھ انتظام نہ ہو سکا۔ بھائی، جلدی میں یہی دال دلیا ہو سکا۔ آپ نے کچھ بھی تو نہیں کھایا۔ حالانکہ اُس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میں یہ کہوں کہ ایسا کھانا مجھے تو کیا، میری سات پشت کو نصیب ہوا اور نہ ہوگا اور آپ نے جس مروّت اور ایثار کا ثبوت دیا ہے، اُس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔

بعض دعوتوں میں عجیب قسم کے بدتمیزوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ بعض کھانا نہیں کھاتے، منہ میں جوئیاں چٹخاتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو ساری اُنگلیاں سالن میں ڈبو دیں گے اور منہ میں لقمے کی پذیرائی اس طور پر کریں گے جیسے سرکس کے گھوڑے کو چابک لگاتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بدحواس ہو کر بہت زیادہ حصہ پلیٹ میں لے لیں گے، تھوڑا کھائیں گے اور بقیہ کو گھنگول کر چھوڑ دیں گے۔ ڈونگے میں سے بوٹیاں چمچے سے نکالنے کے بجائے ٹٹول ٹٹول کر اُنگلیوں سے نکالیں گے۔ کبھی پلیٹ میں نکالی ہوئی بوٹیوں کو پھر ڈونگے میں ڈال دیں گے۔ پانی پئیں گے تو معلوم ہوگا گویا بھری بوتل حلق میں اُنڈیلی جارہی ہے اور گلے سے قلقل مینا کا کام لے رہے ہیں۔ کچھ لوگ چپاتی کے حاشیے توڑ توڑ کر دسترخوان پر انبار لگا دیں گے۔ سَنی ہوئی اُنگلیاں روٹی سے پونچھیں گے اور ڈکار اس طور پر لیں گے جیسے دوسرے کے دسترخوان پر نہیں، اپنی چارپائی پر ہیں۔

ناشتہ	-	صبح کا کھانا
ظہرانہ	-	دوپہر کا کھانا
عصرانہ	-	شام کی چائے/ ناشتہ
عشائیہ	-	رات کا کھانا

معانی واشارات

مَثَل	-	کہاوت
کلبۂ افلاس	-	غریب کا ٹوٹا پھوٹا گھر (مراد بہت زیادہ غریبی)
قلزم	-	سمندر
ماحضر	-	جو حاضر ہے
شراپ	-	بددعا
مبہوت ہونا	-	ڈر جانا
بھشتی	-	سقّہ، پانی پلانے والا
مَشک	-	پانی بھرنے کا چمڑے کا تھیلا
ہِنسا	-	تشدد
مصروفِ غزل خوانی	-	غزل پڑھنے میں مصروف یہاں مراد مکھیوں کا بھنبھنانا
خلال	-	دانت میں پھنسی ہوئی چیز نکالنے کی تیلی
جست	-	چھلانگ

ایامِ جاہلیت - جہالت کا زمانہ
ڈیپوٹیشن - عارضی تعین
فروکرنا - دبانا، مراد ٹالنا
سینی میں بریانی کا اہرامِ مصر - یہاں رکابی میں بریانی کے ڈھیر کو اہرامِ مصر کی طرح بتایا گیا ہے۔
طلسم ہوشربا - اُردو زبان کی ایک بڑی داستان
لباسِ فاخرہ - اعلیٰ قسم کا لباس
ملبوساتِ عروسی - دُلہن کا لباس

پیش قبض - خنجر
مسہل - جلاب کی دوا
حُلوان - بکری کا بچہ
معدوم - غائب
دال دلیا - معمولی کھانا
جُوتیاں چٹخانا - آوارہ گھومنا یہاں مُراد منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالنا
قلقلِ مینا - جام یا گلاس میں پانی ڈالے جانے کی آواز

مشق

* مناسب جوڑیاں لگائیے :

ستون 'الف'	ستون 'ب'
ا۔ مسجد میں	(الف) ٹھگوں کا گروپ
۲۔ رات کی دعوت	(ب) افطاری کی دعوت
۳۔ رئیس کی دعوت	(ج) سات پشتوں کو نوازنا

6PHJ4F

* شجری خاکہ مکمل کیجیے۔

رشید احمد صدیقی کی تصانیف
.... | ....
.... | ....

* وضاحتی فقرے کے لیے ایک لفظ لکھیے۔

ا۔ دعوت میں مہمان کی خاطرداری کرنے والا -
۲۔ جسے دعوت دی جائے -
۳۔ کھانا بنانے والا -
۴۔ پانی پلانے والا -

* مشہور مثل 'مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ' سے مصنف نے 'مجھے دعوتوں سے بچاؤ' مثل بنائی ہے۔اس طرح سے آپ ایک مثل بنائیے۔

* سبق میں ایک داستان کا تذکرہ مصنف نے کیا ہے۔ داستان کا نام لکھیے۔

* سبق کی روشنی میں خاکہ مکمل کیجیے۔

دعوت میں جائیے تو → .... / .... → خراب

دعوت میں نہ جائیے تو → .... / .... → شکایت

* سبق کی روشنی میں جملے درست کیجیے۔

ا۔ مکان و میدان کا کوئی گوشہ یا کونہ ایسا نہ تھا جہاں کھانے والے نہ بیٹھے ہوں۔
۲۔ بھشتی نے مشکیزے سے پلاسٹک کے خوبصورت گلاس میں پانی پلانا شروع کیا۔
۳۔ ڈرائنگ روم میں پہنچے تو آسمان کے تارے نظر آنے لگے۔
۴۔ ایسی دعوت سے مجھ کو بہت محبت ہے جہاں میزبان بار بار کھانے کے لیے اصرار کرے۔

* ’دعوت نامہ‘ میں لاحقہ ’نامہ‘ ہے۔ لاحقے والے مزید چار الفاظ بنائیے۔
* عقیقے کی دعوت کا رقعہ بنائیے۔
* کسی ’دعوتِ ولیمہ‘ کی منظر کشی کیجیے۔
* سبق کی روشنی میں شکلی خاکہ مکمل کیجیے۔

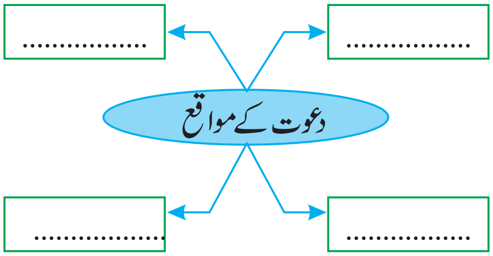

* مصنف کی کھائی ہوئی دعوتِ افطار اور آپ کے یہاں کی دعوتِ افطار کا موازنہ کیجیے۔
* ’مجھے دعوتوں سے بچاؤ‘ مصنف کے اس قول کی وضاحت کیجیے۔
* دعوتیوں کے بھاگ کھڑے ہونے کی وجہ بیان کیجیے۔
* ”ڈاڑھی چاولوں کی مالا بن گئی تھی اور شوربا گنگا جمنی خضاب کی بہار دکھا رہا تھا۔“ اس جملے کا مفہوم واضح کیجیے۔
* دولت مند شخص کی دعوت میں مصنف کی سب سے بڑی مصیبت بیان کیجیے۔
* سبق کی روشنی میں مسجد میں افطار کی دعوت کے دستور کے بارے میں اپنی رائے دیجیے۔
* کسی دعوت کا یادگار واقعہ جو آپ کے ساتھ پیش آیا ہو پندرہ سطروں میں لکھیے۔
* مندرجہ ذیل محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے :

چل بسنا ، دن میں تارے نظر آنا ، سات پشتوں کو نوازنا ، شوق فرمانا ، معدوم ہونا ، جوتیاں چٹخانا۔

* سبق میں استعمال ہوئے محاوروں کو تلاش کرکے لکھیے۔
* ذیل کے الفاظ کو حروفِ تہجی کے مطابق ترتیب دیں۔

عصمت ، تخلیقیت ، علالت ، خوبصورت ، برداشت ، اکثریت ، حیثیت ، تندرست

* رات کی دعوت کو اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
* ”وہ اس کی ہر بات کا جواب جلی کٹی سنا کر دیتی ہے۔“ جملے سے متعلق ایسا سوال بنائیے جس کا جواب خط کشیدہ الفاظ ہوں۔
* درج ذیل سرگرمیاں مکمل کیجیے۔

۱۔ عام طور پر اسکولوں میں سال کے آخر میں الوداعی جلسے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ نویں جماعت کے طلبہ اس موقع پر اسکول کو الوداع کہنے والے دسویں جماعت کے طلبہ کے اعزاز میں جلسہ منعقد کرتے ہیں اور ضیافت کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی موقع کے لیے دسویں جماعت کے طلبہ کو مدعو کرنے کے لیے ایک خط لکھیے۔

۲۔ سجاد حیدر یلدرم کا مضمون ’مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ‘ انٹرنیٹ سے حاصل کرکے پڑھیے۔

انٹرنیٹ کی دنیا سے
www.urdudost.com

عملی قواعد

حروفِ عطف

مرکب جملے کی مثالوں میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان میں دو جملوں کو بعض حروف / الفاظ کی مدد سے جوڑا جاتا ہے۔ اب ذیل کی مثالیں دیکھیے۔

۱۔ جوان اور بوڑھے ۲۔ دودھ یا دہی

۳۔ یہ قصد کیا / کہ / بہن کے پاس چلے

۴۔ سب آئے / مگر / وہ نہ آیا

یہاں پہلی دو مثالوں میں دولفظوں کو / اور - یا / سے جوڑا گیا ہے۔ دوسری مثالوں میں دو جملوں کو 'کہ - مگر' سے جوڑا گیا ہے۔ دولفظوں یا جملوں کو جوڑنے والے یہ حروف 'حروفِ عطف' کہلاتے ہیں۔

* اپنے پڑھے ہوئے اسباق سے حروفِ عطف کی ایسی مثالیں تلاش کیجیے جن میں دولفظوں اور دو جملوں کو جوڑا گیا ہو۔

اب یہ مثالیں غور سے دیکھیے۔

خشک وتر / چشم و چراغ / دشت و در / نشیب و فراز /
فرش و دسترخوان / عیش وعشرت / باغ و بہار / محنت و مشقت

اوپر کی پہلی دو مثالوں کی طرح یہاں بھی دولفظوں کو جوڑا گیا ہے یعنی 'دشت اور در' وغیرہ۔ لیکن یہاں 'دشت' اور 'در' کو جوڑنے کے لیے حرفِ واو کا استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل یہ فارسی ترکیبیں ہیں۔ ایسی ترکیب میں 'اور' کے لیے 'وٗ' استعمال کرتے ہیں۔ یہ اور ان جیسی بہت سی ترکیبیں اُردو میں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ انھیں عطفی ترکیب بھی کہتے ہیں اور لفظوں کو جوڑنے والا واو 'واوِعطف' کہلاتا ہے۔

* سبق 'دعوت' سے واوِعطف والی چند ترکیبیں تلاش کرکے لکھیے۔

عطفی ترکیب بنانے کا ایک طریقہ اور ہے:

پڑھے لکھے / دن رات / لاڈ پیار / چھوٹے بڑے / پھل پھول / نوشت خواند / امیر غریب وغیرہ۔ ان ترکیبوں میں حروفِ عطف 'اور - وٗ' کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

* اپنے پڑھے ہوئے اسباق سے ایسی مثالیں تلاش کرکے لکھیے جن میں 'اور - وٗ' کا استعمال نہ کیا گیا ہو۔

طنزیہ اور مزاحیہ ادب

ادب میں طنز ومزاح کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہ اظہارِ خیال کے دو مختلف طرز ہیں۔ طنز میں زندگی کی ناہمواریوں اور برائیوں کو تیکھے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ اظہار کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ سامع / قاری لہجے کی چبھن کو نشتر کی طرح محسوس کرتا ہے۔ طنز کا مقصد دل آزاری نہیں ہوتا بلکہ فرد اور سماج کی اصلاح ہوتا ہے۔ طنز نگار بڑے سلیقے سے برائیوں کی جانب سماج کی توجہ مبذول کرتا ہے۔ اپنے لہجے کو خوشگوار بنانے اور اظہار کی تلخی کو کم کرنے کے لیے طنز میں مزاح کی بھی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ طنز قابلِ برداشت ہو اور لبوں پر ہنسی آجائے۔

اُردو میں طنزیہ ومزاحیہ ادب کی روایت بہت قدیم ہے۔ اُردو شاعری میں طنز ومزاح کو رواج دینے والا پہلا شاعر جعفر زٹلی ہے۔ اس نے سماجی اور سیاسی ناہمواریوں، بگڑتی ہوئی معاشرت، اقتصادی بدحالی اور تہذیبی زوال پر کڑا طنز کیا ہے۔ اس کے طنز کے نشتر اتنے تیز تھے کہ بادشاہِ وقت فرخ سیر نے اسے پھانسی پر لٹکا دیا۔ جعفر کے بعد اُردو شاعری میں طنز و مزاح کا ایک لمبا سلسلہ ملتا ہے۔ سوؔدا نے طنز ومزاح پیدا کرنے کے لیے ہجویہ انداز اپنایا تھا۔ ظریفؔ لکھنوی اور اکبرؔ الٰہ آبادی بیسویں صدی کے طنز ومزاح کے شاعر مانے جاتے ہیں۔ فی زمانہ طنز کے برخلاف ادب میں مزاحیہ عنصر کو مقبولیت حاصل ہے۔ مشاعروں میں مزاحیہ شاعر کے مشاعرہ لوٹ لینے کی مثالیں اکثر دیکھنے کو ملتی ہیں۔

اُردو شاعری کی طرح نثر میں بھی طنز ومزاح کی روایت رہی ہے۔ رتن ناتھ سرشارؔ کی کتاب 'فسانۂ آزاد' کو اس ضمن میں جو مقبولیت حاصل ہوئی ویسی اُردو کی کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی۔ اُنیسویں صدی کے نصف آخر میں لندن کے انگریزی اخبار 'پنچ' کی طرز پر لکھنؤ سے اُردو میں 'اودھ پنچ' اخبار جاری کیا گیا۔ اس کے لکھنے والوں میں منشی سجاد حسین، جوالا پرشاد برقؔ، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، رتن ناتھ سرشار وغیرہ شامل تھے۔ یہ اخبار سیاسی جبر، سماجی ناہمواری اور تہذیبی اقدار کی گراوٹ پر کڑا طنز کرتا تھا تاکہ سماج کی بڑھتی ہوئی برائیوں کی اصلاح ہوجائے۔ بیسویں صدی میں تو طنز ومزاح لکھنے والوں کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، عظیم بیگ چغتائی، ملا رموزی، پطرس بخاری، شوکت تھانوی، مشتاق احمد یوسفی، مجتبیٰ حسین، یوسف ناظم وغیرہ نہایت اہم مزاح نگار مانے جاتے ہیں۔ سماج کی اصلاح کے لیے ہمارا طنزیہ ومزاحیہ ادب فائدہ مند ثابت ہو رہا ہے۔